

مسلم و عرب ممالک کے احساس کہنری، دینی دھڑوں اور شریعت کے
نفاذ کی تحریکات، مغربیت اور خوف زدگی کا سرچشمہ

یورپ، امریکہ اور

اسرائیل

ایک اظہار حقیقت، انکشاف اور تنبیہ

ابوالحسن علی ندوی

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ

جملہ حقوق محفوظ

بار اول

محرم ۱۴۱۸ھ ————— مئی ۱۹۹۷ء

کتابت ————— حفیظ الرحمن حامد

صفحات ————— ۲۸

طباعت ————— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ

تعداد اشاعت ————— تین ہزار

قیمت ————— ۱۲/-

————— بااختتام —————

محمد غفران ندوی

————— ناشر —————

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

مدوۃ العلماء پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تعارف و تقدیم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه

وآله وسلم۔

امام عبدالحق (رحمۃ اللہ علیہ) کے ذی الحجۃ کے مہینہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ دعوت و تربیت کے زیر نگرانی قائم المہد العالی للدعوة والفکر الاسلامی کے نئے تعلیمی سال کا افتتاح کیا گیا اس افتتاح کی تقریب میں اور اس شعبہ کے طلبہ کے ذہن میں اس کے مقصد، افادیت اور اہمیت و ضرورت کو واضح اور ذہن نشین کرنے کے لیے ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ہمدانی کو تقریر و خطاب کرنے کے لیے زحمت دی گئی، انھوں نے ایک وسیع فکرو دائرہ اور ممالک اسلامیہ و عربیہ کے تجزیہ و مطالعہ اور حقیقت حال کی روشنی میں ایک مفصل اور مبسوط تقریر کی، جس میں بہت سے چشم کشا اور قابل فکر و تشریح حقائق و مسائل آگئے، جو نہ صرف اس شعبہ کے طلباء کے لیے اور نہ صرف فضلاء، مدارس اور داعیان دین کے لیے بلکہ ان تمام غیور و حساس اور حقیقت شناس مسلمانوں کے لیے قابل توجہ اور مستحق سعی و عمل ہیں، جن کو اسلامی ملکوں و معاشرہ کے حال و مستقبل سے دل چسپی ہے، ان کے دین سے ربط و تعلق کا اہتمام اور

اس کے ساتھ ممالک عربیہ کی صورت حال سے واقفیت اور ان کی اہمیت
 و مرکزیت کا احساس ہے، اس لیے یہ تقریر ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع
 کی جا رہی ہے تاکہ ان وقیع اور اہم طبقات کے حلقوں کے افراد زیادہ سے
 زیادہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۔

واضح رشید ندوی

مدیر المعهد العالی للدراسة والفکر الاسلامی

درئیس تقریر رسالہ ”الرائد“ عربی

یورپ امریکہ اور اسرائیل

مسلم ممالک کے احساس کہتری، شریعت کے نفاذ کی
تحریرات سے مرعوبیت اور خوف زدگی کا سرچشمہ

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد
عزیزو اور بھائیو! ندوۃ العلماء کے ایک خادم اور ذمہ دار کی حیثیت سے
ہمارے لیے بڑی مسرت کی بات ہے کہ المعبد العالی للندوة والفکر الاسلامی کے
نام سے دعوتِ دین، نصرتِ دین اور اعتزازِ بالذین کے لیے یہ شعبہ ۱۳۹۹ھ سے
قائم ہے، جن ندوی فضلاء نے اس شعبہ میں داخلہ لیا ہے ان کے لیے
مضوری ہے کہ اپنے دین و مذہب کے بارے میں وہ خود بھی مطمئن ہوں، ان کو پورا ذمہ اتقاد
حاصل ہو اور دوسروں کو بھی مطمئن کر سکیں، جو اس وقت کا خطرہ اور اس وقت
کا چیلنج ہے اس کو سمجھیں، اور اس وقت کی جو سازش ہے اور جس کام کو مغرب
ہے اس کو سمجھیں، خصوصی الفاظ میں امریکہ اور اسرائیل دونوں اس نتیجہ پر متحد
ہو گئے ہیں کہ ان کے نظام سیاست کو، ان کے نظام فکر کو، ان کے عالمی استیلاء
کے امکان کو کوئی چیز چیلنج نہیں کرتی سوائے مسلمانوں کے متحد و موثر وجود کے،
ان سنگین حالات میں ایسے شعبہ کا قیام ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد میں ہے، اس
لیے کہ اس کے بانی اول مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کو عیسائی

مشنریوں سے واسطہ پڑتا تھا، وہ ان سے مناظرے کرتے تھے، ان کو ان سے مناظرہ کرنے میں یہ محسوس ہوا کہ اب ہمارے فضلاء مدارس کو اور علماء کو جدید خطرات سے واقف ہونا چاہیئے اور ان میں تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) ہونا چاہیئے، ان کے اندر اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر سے (جو عام طور پر فکری، علمی اور سیاسی قیادت پر فائز ہوا کرتا ہے) اسلام کے بارہ میں احساس کہتری کو دور کرنے کی صلاحیت ہوئی چاہیئے، اور اسلام کی ابدیت، اس کے غلو و اور ہر زمانہ اور دور میں اس کی طرف لوگوں کی احتیاج، اور اس کو نجات کا، کامیابی کا، صحیح انسانیت کا واحد اور ابدی راستہ ثابت کرنے پر یقین اور اس کی تفہیم کی صلاحیت ہو، اس لیے ایسے دعوتی و تربیتی ادارہ کا وجود وقت کی بڑی ضرورت، عصر حاضر کا تقاضا اور ندوۃ العلماء کے بانیوں کے منشا کی تکمیل اور ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کا دین دائمی اور ابدی ہے ”وَإِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“ یہ ہر زمانہ کا اعلان ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضیات و نامرضیات بھی دائمی ہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام اس کی تعلیمات اور اس کے مطالبات بھی دائمی ہیں، یہ غیبی حقائق دائمی ہیں اس کے علاوہ یہ کہ ہدایت کا راستہ ابدی راستہ ہے۔ دین ایک ابدی حقیقت ہے لیکن زمانہ متغیر ہے، زمانہ اگر متغیر نہیں تو پھر زمانہ ہی نہیں، زمانہ کوئی جامد چیز نہیں ہے، زمانہ بدلنے والا ہے، رجحانات بدلنے والے ہیں، مطالبات بھی بدلنے والے ہیں، تاثرات کے جو سرچشمے ہیں وہ بھی بدلنے والے ہیں، اور اس کے

علاوہ تحریریں بھی بدلنے والی ہیں، مختلف زمانوں میں مختلف تحریریں پیدا ہوتی ہیں اور دین کے خلاف محاذ آرائیاں ہوتی ہیں، سازشیں ہوتی ہیں، منصوبہ تیار ہوتے ہیں، نئی نئی سلطنتیں قائم ہوتی ہیں ان کے مصالح و مفادات کا تحفظ بدلتا رہتا ہے، اس میں سیاسی مصلحتیں بھی ہیں جنگی مصلحتیں بھی ہیں اور معاشرتی مصلحتیں بھی ہیں، اور یہ بھی ہے کہ جو نظام سلطنت قائم ہوا طبعی بات ہے کہ اس نظام کو تقویت پہنچانے کے لیے فضا پیدا کی جائے، یعنی جو اس کے محکوم ہیں وہ اس نظام سلطنت کو اور اس صاحب اقتدار طبقہ اور اس کی حکومت کو اور اس کی تہذیب کو یہاں تک کہ اس کے گہروں کی معاشرت تک کو بھی آئیڈیل اور قابل تقلید سمجھیں، اس کے لیے نئی نئی تدبیریں کی جاتی ہیں اللہ کی جاتی رہیں گی اور خاص طور پر اس زمانہ میں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے خلاف محدود قسم کی سازشیں اور منصوبہ جو پہلے تیار کئے گئے تھے وہ ناکام بنا دیے گئے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور عالم اسلام کے لیے وسیع اور عمیق اور فیصلہ کن جیشیت تاریخ میں دو خطرے پیش آئے ہیں، جن سے اندیشہ تھا کہ اسلام بحیثیت عالم گیر دعوت، سیاسی قوت اور مذہبی آزادی کے اتنا کمزور ہو جائے کہ وہ محدود رقبہ میں اور خاص نسل اور قومیتوں کے دائرہ کے اندر ہی نافذ اور نافذ رہے لیکن عالمی پیمانہ پر اس کا وجود اور نفوذ ختم ہو جائے، ایک صلیبی حملہ جو باغی صدی بھری اور گیارہویں صدی عیسوی میں پیش آیا دوسرا تاتاری حملہ جو ساتویں صدی بھری اور تیرہویں صدی عیسوی میں جنگیز خاں اور ہلاکو کی قیادت میں ہوا۔

صلیبیوں کا شام پر حملہ ہوا اور وہ بیت المقدس پر قابض ہو گئے، ان کے ذہن اور ان کے منصوبہ میں حرمین شریفین بھی شامل تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی کو کھڑا کیا، جس کی نظیر، اخلاص، لہیت، جذبہ جہاد و سرفروشی، غیرت و حمیت دینی اور طہارت و تقویٰ میں امتیاز خاص کھتی تھی، اور اس کی نظیر اگر نایاب نہیں تو کیا بضرور ہے۔ انھوں نے صلیبیوں کو ناکام بنایا، مسلمانوں کا ان کے جھنڈے کے نیچے اتحاد ہوا اور وہ خطرہ ٹل گیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس وقت تک یورپ اور یہی حملہ آوروں کے ملک میں نہ اتنی تمدنی و تہذیبی ترقی ہوئی تھی اور نہ سائنس اور تجربی علوم کا وہ فروغ ہوا تھا جو بعد کی صدیوں میں ہوا۔ ان کے سامنے دنیا کی تشکیل نو اور ذہنی و تہذیبی انقلاب کا وہ نقشہ تھا جو بعد میں مغرب کی فائنچاء اور استعماری طاقتوں کے سامنے آیا اور ان کے پروگرام میں شامل ہوا، یہ محض ایک فوجی یلغار اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنے کی ایک کوشش اور عزم تھا، اس لیے اس سے وہ خطرات، نہیں تھے جو چند صدیوں کے بعد یورپ اور امریکہ کی سیاسی، علمی و تمدنی بالادستی اور مشرقی ملکوں کے یورپ اور امریکہ کے غلام بن جانے اور زیر اثر آ جانے سے پیدا ہوئے۔

لے پہلی صلیبی یلغار شام پر ۱۰۹۹ء میں ہوئی، ۱۰۹۹ء (۴۹۹ھ) گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا۔ "انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا" کی جلد ۹ میں صلیبیوں کی تعذبات اور مظالم اور خونریزیوں کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

ریجنالڈ حاکم کرک نے حرمین شریفین پر بھی چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت بقول لین پول، عماد الدین زنگی نے اس خطرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا، جس کی تکمیل اس کے فرزند الملک اعدول نور الدین زنگی نے کی۔ لیکن اس میں پوری کامیابی نور الدین سلطان شام کے فوجی جنرل صلاح الدین ایوبی نے حاصل کی، (جو مصر کی حکومت و اقتدار پر قابض ہو گئے تھے) اور انھوں نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے نکالا، ان پر جذبہ جہاد، حیثیت دینی اور غیرت اسلامی کا پورا استیلا، اور غلبہ تھا، ۵۸۳ھ (۱۱۸۶ء) میں حطین کے معرکہ میں انھوں نے کامل فتح حاصل کی، اور صلیبیوں کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ معرکہ حطین کے بعد بیت المقدس کی مسلمانوں کے ہاتھوں بازیابی ہوئی اور صلیبیوں کا منصوبہ اور نقشہ کار ناکام اور بے اثر ہو گیا، سلطان صلاح الدین ایوبی

(ص ۱۷۱ کا بقیہ)

راقم کار سالہ ”صلاح الدین الايوبى المظفر الناصر لدين الله“ مطبوعہ دارعفات رلے برٹلی کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، اردو میں راقم کی تصنیف ”تاریخ دعوت و عمریت“ کی جلد اول میں ص ۳۰۳ سے ۳۴۴ تک تاتاری حملے، ان کے وحشت ناک مظالم، عالم اسلام کے مرکزی شہروں اور بغداد کی تباہی کی لرزہ خیز تصویر اور تاریکیوں میں اسلام کی اشاعت کی معلومات و تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ شائع کردہ دانش گاہ پنجاب لاہور کی جلد ۱ میں بھی ”چنگیز خاں“ کے عنوان کے ماتحت تاتاری حملہ کی سفاکیوں اور دہشت گردیوں کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں ص ۶۹۱-۷۲۴، تفصیل کے لیے مطالعہ کی جائے لین پول کی کتاب ”سلطان صلاح الدین“ ص ۱۵۵

کی وفات ۲۸ صفر ۵۸۹ھ کو ہوئی۔

بارہویں صدی عیسوی میں مسیحی یورپ، علوم، سائنسی تحقیقات و انکشافات اسلام کی تیاری، استعماری عزائم، اور اپنے مادی اور لادینی منصوبوں کی ترویج و تنفیذ میں اس مقام تک نہیں پہنچا تھا جس مقام پر وہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں پہنچا، اس لیے اس کے غلبہ سے سوائے مسیحیت کی اشاعت، مقامات مقدسہ پر غلبہ اور مسلمانوں کی سیاسی ہزیمت و ذلت کے وہ خطرہ نہیں تھا جو انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ اور (بالخصوص) برطانیہ اور فرانس کے ان مسلم و عرب ممالک پر اپنی تہذیب و فلسفہ حیات کو غالب کرنے اور ان کو قابل تقلید اور ملامت ترقی بنادینے سے پیش آیا۔

تاتاریوں کا حملہ اگرچہ فوجی تھا لیکن تجربہ ہے کہ کامیاب حملہ آور اور فوجی فاتح فوجی حدود کے اندر محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کا طرز عمل، اس کے افکار، اس کے عقائد، اس کا طرز معاشرت اثر انداز ہوتے ہیں، تاتاریوں کی کامیابی سے صرف اتنا ہی خطرہ تھا کہ مسلمان غلام بن جائیں گے، انھوں نے بڑے مظالم کیے، کبھی کبھی تو دجلہ کا پانی سرخ ہو جاتا تھا، جب مسلمان بڑی تعداد میں شہید کیے جاتے تھے اور ان کو دجلہ میں ڈال دیا جاتا تھا تو ان کی خون آلود لاشوں سے پانی سرخ ہو جاتا تھا، اور کبھی اس کا پانی سیاہ ہو جاتا تھا کہ وہاں جو بڑے بڑے کتب خانے تھے (اور بغداد اس میں سب سے زیادہ امتیاز رکھتا تھا) ان کی کتابوں کے انبار اس میں ڈال دیے جاتے تھے، تو پانی سیاہ ہو جاتا تھا، مسلمان شہیدوں کے سروں کے مینارے بنائے گئے، یہ مینارے دور سے دکھائی دیتے تھے، سر پر

سر رکھا ہوا، ایک نہیں ہوتا تھا، ایک رکھتے تو گر جاتا، وہ سروں کا ایک جبوترہ ہوتا تھا، ایک جبوترہ پر دوسرا جبوترہ، یہاں تک کہ بہت دور سے نظر آتے تھے ان کے حملہ کی دہشت کا یہ حال تھا کہ تاریخ میں عام مقولہ درج ہے ”إذ قيل لعائش التماري من و افلا تصدق“ یعنی ہر بات مان لینا کہ ممکن الوقوع ہے لیکن یہ بات کبھی نہ ماننا کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔

لیکن اس تاتاری حملہ میں خاص بات یہ تھی کہ تاتاریوں کے پاس کوئی تہذیب نہیں تھی، کوئی ثقافت (CULTURE) نہیں تھی، کوئی دعوت نہیں تھی، اور کوئی متوازی نظام عقائد بھی نہیں تھا، اس لیے ان کا حملہ اگر کامیاب بھی ہو جاتا تو وہ بہت دنوں تک کامیاب نہیں رہ سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی رحمت و قدرت سے خارق عادت طریقہ پر سامان کیا کہ ایک طرف مسلم فضلاء اور شریعت کے ماہرین نے تاتاریوں کے اندر گھس کر اسلامی تہذیب اور اسلامی قانون کا تعارف کرایا اور جو خلا ان کی زندگی میں ان کے علم و واقفیت اور تہذیب و تمدن اور دعوت میں تھا اس کو اسلام نے چڑکریا، یہ ایک طبعی اور فطری بات بھی تھی کہ ایسی فتوحات و انقلاب میں خلا بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا، اہل علم جانتے ہیں کہ قانون الہی یہ ہے کہ خلا کا پرہیز ضروری ہے قانون کا خلا تھا، تہذیب کا خلا تھا، علم کا خلا تھا، دنیا کے لیے ان کے پاس کوئی دعوت نہیں تھی، اس خلا سے مسلمان اہل فکر نے اور مبصرین نے فائدہ اٹھایا، اور انھوں نے تاتاریوں کو ایک طرف اسلام کی دعوت دی اور ایک طرف بتایا کہ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ہمارے پاس پورا سامان موجود ہے، نظام معاشرہ

موجود ہے اور عام دنیا کے لیے دعوت بھی موجود ہے۔ اس سلسلہ میں اہل دل
مخلصین اور اہل اللہ کا بھی بڑا حصہ ہے، ایک واقعہ جو بار بار بیان کیا جا چکا ہے
لیکن بڑا مؤثر ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔

آرنالڈ نے پریچنگ آف اسلام (PREACHING OF ISLAM) میں لکھا
ہے کہ ایران و ترکستان کی طرف کی جو شاخ تاتاریوں کے قبضہ میں آئی اس میں
تاتاریوں کے سو فیصد مسلمان ہو جانے کی تقریب یہ ہوئی کہ تغلق تیمور جو دل عہد
سلطنت تھا وہ شکار پر نکلا، اور آپ کو معلوم ہے کہ اور میں بھی اس سے واسطہ
پڑا ہے، ہم نے نشانہ کی بھی مشق کی ہے اور شکار بھی کھیلے ہیں کہ شکاریوں میں کچھ
روایات ہیں، نحوست کی اور کامیابی و ناکامی کی، مثلاً بچپن میں سنا کرتے تھے
کہ جمعات کو شکار کامیاب نہیں ہوتا، اگر شکار کے لیے چلنے کے وقت کسی نے
کہہ دیا چاقو ہے؟ تو اب شکار نہیں ملے گا، چاقو کا نام نہیں لینا چاہیے، اسی طرح
تاتاریوں میں ایران اور اس کے باشندوں سے متعلق نحوست کا تخیل تھا کہ ایرانی
منحوس ہوتے ہیں (اور مخصوص قوموں کے بارہ میں ہمیشہ اس طرح کے تاثرات
در روایات رہی ہیں) تغلق تیمور نے اس کا پورا انتظام کیا کہ کوئی ایرانی نہ آنے
پائے، جا بجا بہرے بٹھا دیے جو ساحلی جگہیں تھیں اور جو مدخل تھے ان سب
پر آدمی بٹھا دیے تاکہ کوئی ایرانی نہ آنے پائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور بھی منظور
تھا، اللہ تعالیٰ کو تاتاری جیسی جنگ آزمایا طاقت ور اور بلند حوصلہ قوم کو
مشر سرف باسلام کرنا اور اس سے دین کی حفاظت کا کام لینا تھا، یہ ایک
خدائی انتظام تھا، شیخ جمال الدین ایران کے ایک صاحب دل بزرگ تھے، ان کو

کہیں جانا تھا اور راستہ وہی تھا، اس جگہ وہ پہنچے تو اتفاق سے وہاں کوئی پہرہ دار کھڑا نہیں تھا، یہ سب غیبی انتظامات ہوتے ہیں، وہ آگے بڑھ گئے، کئی پہرہ دار نے دیکھ لیا، اس نے ان کو پکڑ لیا اور تعلق تیمور کے پاس پکڑ کر لے گیا، وہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ انھوں نے شکار کے سارے انتظامات پر پانی پھیر دیا، اب شکار نہیں ملے گا، اس نے غصہ میں آکر کہا کہ تم ایرانی اچھے ہو کہ یہ کتنا اچھا ہے کون افضل ہے؟ آرنلڈ نے تو یہ لکھا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی قوم کو دولت اسلام نصیب نہ کی ہوتی تو یہ کتنا افضل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم ایرانیوں کو اسلام نصیب کیا تو ہم افضل ہیں، اس نے کہا اسلام کیا ہوتا ہے؟ وہ صاحب دل بھی تھے اور صاحب علم بھی تھے، انھوں نے اسلام کا مختصر مگر مبلغ مؤثر تعارف کرایا، وہ متاثر ہوا اور اس کے دل و دماغ پر اثر پڑا، اس نے کہا کہ اگر ابھی میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیتا ہوں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا جب میری تاج پوشی ہو جائے تو مجھ سے آکر ملیں، میں اسلام کا اعلان کروں گا۔

یہ تو آرنلڈ کی تاریخ میں ہے لیکن ترکی و فارسی ماخذ میں جو (ORIGINAL) ہیں ان میں زیادہ مؤثر انداز میں اس واقعہ کو پیش کیا گیا ہے، اس میں ہے کہ اس نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں کہ یہ کتنا افضل ہے؟ انھوں نے کہا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اس نے کہا کہ کیا مطلب؟ یہ کتنا کھڑا ہے، یہ آپ ہیں یا تو کہنے کہ یہ کتنا افضل ہے یا کہنے کہ میں افضل ہوں، انھوں نے کہا کہ اگر میں دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہوا، ایمان پر میرا خاتمہ ہوا تو میں افضل ہوں ورنہ یہ کتنا افضل ہے، اس سے اس کے دماغ اور اس کے دل پر چوٹ پڑی، اس نے

کہا کہ جب آپ سنیں کہ میری تاج پوشی ہو گئی ہے تو مجھ سے ملیں، یہ برابر دن گئے رہے اور کان ان کے لگے رہے کہ خبر آئے، لیکن ان کا وقت آخر آگیا، انھوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا کہ عزیز فرزند! شاید یہ سعادت تمہاری قسمت میں لکھی ہوئی ہے، تم جب سننا کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہو گئی ہے تو اس سے ملنا اور یہ واقعہ یاد دلانا، چنانچہ جب انھوں نے تاج پوشی کی خبر سنی تو یہ گئے اور باہر اپنا سجادہ ڈال دیا، ان کو کون اندر جانے دیتا؟ وہ باہر نماز پڑھتے رہے اذان دیتے رہے اور وقت تو اذان کی آواز محل میں نہیں پہنچی، لیکن فجر کے وقت اذان کی آواز پہنچی تو اس نے کہا کہ یہ صدمہ بے ہنگام کسی ہے؟ کون اس وقت چلاتا ہے اور میند خراب کرتا ہے؟ کہا گیا کہ ایک شخص ہے جو اٹھتا ہے بیٹھتا ہے اور یہ آواز لگاتا ہے، اس نے کہا جادو سے پکڑ لاؤ، لوگ ان کو لے گئے تو انھوں نے کہا کہ میں ان کا (شیخ جمال الدین کا) فرزند ہوں جو آپ ملے تھے آپ نے سوال کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ افضل ہیں یا یہ کتاب؟ انھوں نے کہا تھا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا، تو میں افضل ہوں ورنہ کتاب افضل ہے۔ میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا، اور وہ کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے، تغلق تیمور نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا، اس نے اپنے وزیر اعظم کو بلایا، اس نے کہا کہ میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں میں ایران گیا تھا وہیں اسلام قبول کیا تھا، آپ کے ڈر سے بتانا نہ تھا، اس کے بعد پوری ایرانی تاتاری شاخ مسلمان ہو گئی، پھر دوسری شاخوں میں بھی اسلام عمومیت کے ساتھ پھیل گیا۔

ایک باختر تاریخ داں نے بتایا کہ دو قومیں ایسی ہیں جو سوفیہ مسلمان ہوئی ایک عرب اور ایک ترک یہ بھی سوفیہ مسلمان ہوئے، صورت یہ ہے کہ ہر زمانہ

میں ضرورت ہے داعیوں کی اور مدعوین کی نفسیات کو سمجھنے کی اور حکمت کے ساتھ بات کرنے کی خود قرآن مجید میں ہے:

”أُذِخْ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِ لَهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ - (سورۃ النحل - ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

لیکن اس وقت کا سب بڑا فتنہ، چیلنج اور خطرہ یہ ہے کہ پورے مغرب اور عیسائی دنیا اور اس کے ساتھ خاص طور پر یہودی عنصر کی (جو ان مغربی ممالک کی نشاۃِ لبثانہ ہے) کوشش ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں دین کی حیثیت ختم ہو جائے دین سے انتساب پر جو فخر ہے وہ ختم ہو جائے، دین کا جو سرچشمہ ہے (یعنی ایمان) ختم ہو جائے اور اس کے اندر اس کے متبادل طریقہ پر احساس کہستری پیدا ہو۔ (INFERIORITY COMPLEX)

ہم نے دارالمصنفین میں استشرق اور مستشرقین کے بارہ میں جو مجلس مذاکرہ سیمینار (Seminar) ہوئی تھی، اس میں کہا تھا کہ مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے بالکل صحیح سمجھا کہ محض فوجی برتری و اقتدار اور محض سیاسی تنظیم و استحکام اور نئے اور موثر اسلحہ و طریق جنگ کافی نہیں، کسی ملک کو مستقل طور پر غلام رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کا تعلیم یافتہ اور مشفق طبقہ (INTELLECTUAL CLASS) قوتِ حاکمہ سے ذہنی طور پر مرعوب ہو، اس کے لیے انھوں نے مشرقین (ORIENTALIST) کو تیار کیا، بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین

محض اپنے علمی ذوق کی بنا پر تحقیق و تصنیف کا کام نہیں کرتے علمی ذوق تو محدود ہوتا ہے لیکن استشرق کے پیچھے سیاسی و استعماری مقاصد اور سرپرستی کا کام کرتی ہے، یہ اس زمانہ کا بڑا خطرہ ہے اور اس خطرہ کا جو مرکز ہے اس کو اور اس کے ہتھیار اور ہتھیار استعمال کرنے والوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مستشرقین کا یورپ و امریکہ میں ایک پورا لشکر تھا اور اس کو ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی، انھوں نے اپنی پوری ذہانت صرف کر دی ایسی کتابوں کے لکھنے میں جس میں صاف صاف اسلام پر حملہ نہ کیا جائے، ان کی ذہانت اور سمجھنے کی بات تھی کہ اسلام پر حملہ اگر ہو گا تو ایک مقابل طاقت پیدا ہو جائے گی، اس میں ایسا ہو کہ لوگ بڑھ کر دلائل کی روشنی میں (جو چالاک کے ساتھ کتاب میں شامل کیے گئے ہیں) کتاب الہی کے بارہ میں حدیث کے بارہ میں علم فقہ کے بارہ میں علم کلام کے بارہ میں پھر آخری درجہ میں اپنی تہذیب و معاشرت کے بارہ میں احساس کہتری کا شکار ہوں، جو شخص یہ کتابیں بڑھ لے گا وہ مجھے گا کہ ہم تو بہت نیچی سطح پر زندگی گزار رہے تھے، ہمارے علمائے، ہمارے مربیوں نے اور ہمارے مصنفین نے ان کمزوریوں کا اظہار نہیں کیا، واقعہ یہ ہے کہ بہت تاخیر سے حدیث کی تدوین شروع ہوئی، بہت تاخیر سے اسلامی قانون بنایا گیا، یہ سب

لے دار المصنفین کے مجلس مذاکرہ میں استشرق و مستشرقین پر جو تقریر اردو، عربی میں کی گئی تھی، "الاسلام والمستشرقون" عربی میں، اردو میں "اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع ہو گئی ہے۔

ان سبھوں نے دکھایا ہے، حالانکہ اس تاخیر میں بھی حکمتیں تھیں، حدیث کی تدوین جب شروع ہوئی تو مصاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تائید الہی شامل تھی، بلکہ وہ ایک معجزہ تھا، معجزہ آسمانی تھا کہ بخارا اور ترکستان کے ایسے ذہین ترین اور قوی الحافظہ افراد نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا جن کی مثال دور دور اور دیر درتک تاریخ میں نہیں ملتی، اس کی شہادت کے لیے صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے، امام بخاری کے تذکرہ میں آتا ہے،

”امام بخاری جب بغداد آئے تو علمائے بغداد نے ان کے امتحان کا یہ طریقہ تجویز کیا کہ مشہور حدیثوں کی سند اور ان کے متن (مضمون حدیث) کو الٹ دیا، ایک حدیث کی سند دوسرے متن کے ساتھ اور ایک حدیث کا متن دوسری سند کے ساتھ لگا دیا، اور دس دس حدیثوں کو ایک ایک شخص کے حوالہ کیا کہ وہ ان سے سوال کئے، امام بخاری جب مجلس میں آئے تو ایک ایک شخص نے دس دس حدیثیں سنائیں اور ان کی رائے دریافت کی، وہ سنتے اور فرماتے کہ میں ان حدیثوں سے واقف نہیں، اہل علم اس راز کو سمجھے اور ناواقف اشخاص ان کی لاعلمی پر مسکرائے، جب سب نے اپنے اپنے حصہ کی حدیثیں سنائیں تو امام نے باری باری ایک ایک کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ آپ نے جو دس حدیثیں سنائی تھیں ان کا متن یہ ہے اور ان کی سند یہ ہے، پھر دوسرے کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ سب کی احادیث کی تصحیح کر دی اور جس سند کا جو متن تھا اور جس متن کی جو

سند تہذیب و بیان کی، لوگ ان کی وسعت نظر، حاضر دماغی اور عافیت پر انگشت بندناں رہ گئے۔

اسی طرح جب فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو خدا نے ائمہ اربعہ اور ان کے بلند مقام، نادرہ روزگار خلفاء و تلامذہ، اور مجتہدین کی شکل میں ایسے افراد پیدا کیے اور ان کو توفیق دی جن کی مثال دنیا کی قانون سازی اور مسائل حیات کے حل کرنے کی کوششوں میں نہیں ملتی۔

اسی طرح جب یونانی فلسفہ، اسلامی مملکت بالخصوص عراق اور الخلافہ بغداد میں سامنے آیا اور اس نے ذہین اور صاحب فکر طبقہ پر اثر ڈالا، اور اپنی علمی برتری اور باریک بینی کا سکہ جمایا، اور اس سے ایک سطحی فکر طبقہ کے عقائد میں تزلزل پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے امام ابو الحسن اشعری، امام ابو منصور ماتریدی، امام غزالی، اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کو پیدا کیا جنہوں نے اس کے اثرات اور مروجیت کو زائل کر دیا۔

اسی طرح غلط عقائد، جاہلی رسوم و عادات، شرک و بدعات اور رسوم قبیلہ کو دگر کرنے کے لیے اور دین صحیح اور عقائد صحیحہ اور سنت و شریعت کے احیاء و ترویج کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں مصلحین و مجددین اور ایسے ائمہ دین اور داعیان مخلصین پیدا کئے جنہوں نے دعوت الی الجاہلیہ

لے تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ص ۸ (ماخوذ از مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۷)

لے ملاحظہ ہوں مذاہب اربعہ اور فقہ و اجتہاد کی تاریخیں اور مآخذ

الاولیٰ اور دین کے مسح و تحریف کے خطرہ کو دور کر دیا اور دین صحیح کو سکہ
راج الوقت کی طرح عام کر دیا۔

مستشرقین اور ان کی ”تحقیقات“ دعاوی اور مباحث سے مغربی استعمار
(WESTERN IMPERIALISM) نے جو کام لیا اور وہ ان کے لیے مفید ثابت ہوا،

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سے مغربی استعمار مشرقی ممالک سے بے دخل
ہو یا بعض جگہ بالکل کمزور ہو گیا، اس مدت سے مستشرقین کا کام بھی ڈھیلا پڑ گیا،
یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے، نہ صحافت کو انحطاط ہوا ہے اور نہ ریڈیو کو، اور جو
طریقے ہیں خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کے، ان میں صرف انحطاط ہی نہیں
بلکہ اضافہ ہوا۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ مستشرقین کا کام بالکل ہلکا پڑ گیا ہے، کبھی
کوئی کتاب آجاتی ہے، اس میں وہ طاقت نہیں ہوتی، وہ قوت استدلال نہیں ہوتا
جو پہلے ہوتا تھا، مستشرقین کا وجود محض عالم اسلامی کے علمی، مذہبی طبقہ کے اعتماد
کو کمزور و متزلزل کرنے کے لیے اور ان کے اندر اپنے دین کے بارہ میں، دین
کی تاریخ کے بارہ میں، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اور قرآن مجید
کے بارہ میں، اور پھر فقہ و علم کلام کے بارہ میں اعتماد کو متزلزل کر دینا تھا۔

اس وقت کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہمارا جو نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہے
اس کے اندر احساس کہتری پیدا ہو رہا ہے، وہ جو کتابیں پڑھتے ہیں فریج میں،

لے تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کا (۱-۲-۳-۴-۵ اردو میں)
اور رجال الفكر والدعوة فی الاسلام“ کا (۱-۲-۳-۴) عربی میں مطالعہ مفید ہو گا۔

انگریزی میں، یہاں تو اس کا کم رواج ہے، بعض دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فرانس کے مقبوضات میں (مغربی، شمالی افریقہ کا علاقہ یہ فرانس کے ماتحت رہا ہے مراکش اور الجزائر بھی فرانس کے ماتحت رہے ہیں، یہاں تک کہ لیبیا، طرابلس تک فرانس کے ماتحت رہا ہے) تو یہاں فریج لٹریچر اور دوسرے ملکوں میں انگلش لٹریچر پھیلا ہوا ہے، اور اس میں یہ سب اثرات تھے۔

سب سے زیادہ قابل تشویش اور حزن و فکر کی بات یہ ہے کہ ممالک عربیہ اس وقت امریکہ اور اسرائیل کا نشانہ ہیں اور ان کا یہ حملہ بہت حد تک کامیاب ہے۔ وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ (جو قیادت کے منصب پر عام طور سے فائز ہوتا ہے) احساس کہتری میں مبتلا ہو گیا ہے، وہ اسلام کے مستقبل سے گویا مایوس ہو جا رہا ہے خاص کر الجزائر اور مصر پیش پیش ہیں، وہاں کی قیادتیں اور حکومتیں دینی دعوت اور تحریک سے بہت زیادہ خائف ہیں، وہاں اصل ٹکراؤ دینی نشاۃ ثانیہ کی تحریک و دعوت سے ہے، حکومتوں اور دین پسند اور اسلام پسند طبقوں کے درمیان محاذ قائم ہے۔ حالانکہ الجزائر، طرابلس، مغرب، مصر یہ وہ ملک ہیں جن میں تحریک آزادی کی قیادت علماء نے کی، لیکن آج یہ ممالک سب سے زیادہ خطرہ دین کے داعیوں اور اسلامی قائدین اور تحریکیوں کو سمجھتے ہیں۔ مصر میں شیخ حسن البنا کو خطرہ سمجھا گیا اور وہ شہید ہوئے، عبدالناصر کا زمانہ آیا تو سید قطب کو شہید کیا گیا، اور کتنی جانیں شہید ہوئیں، مصر و الجزائر کی حکومتیں خاص طور پر دین کے جذبہ کے بیدار ہونے، دینی حمیت کو اور یہ کہنے کو کہ ”یہ اسلامی شریعت کے خلاف ہے“ یہ حکومت کیوں کر رہی ہے؟ اس کو اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ

سمجھتے ہیں، ان کو خطرہ اب نہ اسرائیل سے ہے اور نہ کسی اور غیر مسلم طاقت سے ہے، اب اگر خطرہ ہے تو صرف دینی عنصر سے ہے، یہ بڑا المیہ ہے، ایسا المیہ جہاں جامع ازہر ہے، جہاں افریقہ کے بلگر پارے افریقہ اور اسلامی ممالک کے تخت بلگر ہزاروں کی تعداد میں پڑھتے ہیں اور عالم اسلام میں جامع ازہر کو سب سے بڑا دینی و علمی ادارہ اور جامعہ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت کا جو چیلنج ہے اور تشویشناک حقیقت ہے وہ یہ کہ ہمارے عرب ممالک اسلامی دعوت سے خائف ہیں، کوئی طاقت ور تحریک نہیں ہے اور کشش رکھنے والی جماعت اور داعیوں سے یہ ممالک محروم ہیں۔

عرب ممالک جن سے ہم کو ایمان کی دولت ملی، قرآن کی دولت ملی اور انسانیت کی حقیقت ملی، اور جو ہمارے لیے ہدایت کا سبب بنے، جن کا ساری دنیا پر وہ احسان ہے جو کسی بڑی سے بڑی فرماں روا قوم، کسی بڑی سے بڑی عالی مرتبہ تہذیب، کسی بڑے سے بڑے کلچر و ثقافت کا وہ احسان نہیں جو عربوں کا احسان ہے، ان ہی کی وجہ سے ہم صاحب ایمان ہیں، حساس و فرض شناس انسان ہیں، ان عربوں میں اس وقت دعوت کی آواز نہ صرف یہ کہ دب گئی ہے، یست ہو گئی ہے بلکہ گم ہو گئی ہے، اور تحریک اخوان المسلمین کے بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سناٹا سا جھا گیا ہے، یہاں جو مظالم ہوئے اس کی بنا پر وہاں جو لوگ اس کے اہل تھے وہ لوگ ملک چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مصر میں ایک ایسا دور گزرا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ نہیں آتا تھا کہ مسلمان دنیا میں اثر انداز ہو سکتے ہیں، چنانچہ جب ہماری کتاب ”ماذا خسر العالم

بائنحطا المسلمین، "قاہرہ سے شائع ہوئی (جس پر ڈاکٹر احمد امین نے ایک کمزور مقدمہ لکھا تھا، پھر دوسرا قاتور مقدمہ سید قطب نے لکھا تھا اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کا مقدمہ بھی تھا) جب ہم مصر گئے تو ایک اخبار نے لکھا کہ کیا مسلمان بھی دنیا پر اثر ڈال سکتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کے عروج و زوال سے دنیا پر اثر بڑھ سکتا ہے؟ کیا نام رکھا ہے اس کتاب کا؟ اس نے انگلی اٹھائی اور تعجب کیا، حالانکہ میں نے اقبال کے شعر سے کام لیا ہے اور بالکل شاعر اس کا جواب ہے جو انھوں نے ابلیس کی طرف سے نقل کیا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مسلمان اس پوزیشن میں کہاں ہیں، اس تعداد میں کہاں ہیں کہ دنیا پر اثر انداز ہو سکیں؟ یہ ہے ممالک عربیہ کا اس وقت کا سب سے بڑا مرض، بڑا خطرہ کہ اسلام کے مستقبل سے وہ مایوس ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام ہی دنیا کے لئے ذریعہ نجات ہے، مذہبی طور پر، اخلاقی طور پر، فنی طور پر بھی، معاشرتی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی، یہ وہ کام ہے جو اس وقت قدر و قیمت کے لحاظ سے، اور اہمیت کے لحاظ سے اہم ترین اور مؤثر ترین

لے ابلیس کی مجلس شوریٰ ہوئی تو اس میں سب نے ایک ایک خطرہ کی طرف اشارہ کیا کسی نے کیونز م کا خطرہ ظاہر کیا، کسی نے فوجی طاقت، کسی نے سرمایہ داری کا ذکر کیا، ابلیس کی زبان سے یہ مضمون نکلا جس کو اقبال نے اس کی زبان سے پیش کیا۔

کام ہے۔

آپ اپنے اندر وہ قابلیت پیدا کریں کہ آپ عربوں کو متاثر کر سکیں اس کے لیے ضرورت ہے کہ آپ کی زبان و تحریر میں وہ اثر ہو اور وہ سٹاکنگلی، جاذبیت و ادبیت ہو کہ عرب کہیں کہ کیا خوب لکھا ہے، چنانچہ الحمد للہ یہاں سے ندوۃ العلماء کی ”مجلس تحقیقات و نشریات اسلام“ سے وہ لٹریچر عربی ملک میں جاتا ہے جسے عرب بھی جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور سنا تے ہیں، ہم نے یہ دیکھا کہ مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان پر مکہ معظمہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے، استاد عبدالحکیم عابدین ایک رسالہ پڑھنے لگے، ہم کو ضرورت پڑی ہم نے کہا کہ ہم ابھی آتے ہیں، واپس آئے تو دیکھا کہ وہ پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں یہ امام حسن البنا کے ہنونی تھے اور بڑے خطیب و تعلیم یافتہ، جب ہم آئے تو ہمارا نام لے کر کہا کہ یہ کس کی کچی ہوئی کتاب ہے؟ ہم نے کہا کہ ہمارے برادر زادہ محمد الحسنی کی، تو انھوں نے کہا کہ ان کو میرا سلام کہنا، یہ کتاب ”الاسلام بین لا و نعیم“ کتنی۔

آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی یہاں کے دسائل کے اعتبار سے عظیم کارناما ہو گا کہ آپ عربوں میں دین کی دعوت کو پہنچانے کی صلاحیت پیدا کریں، اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب ہمتا فرمائے ہیں۔ ایک ہدف و نشانہ بنائیں کہ ہم اپنے اندر وہ قابلیت و صلاحیت پیدا کریں جس سے ہم عربوں کو دین پر زیادہ جھنے کی دعوت دے سکیں، ہماری کتابوں میں سے ”الی الاسلام من جدیدہ“ —

”أباهلیة بعد الاسلام آیہا العرب؟“ الی الترایة

الحمدية أيها العرب لہ یہ سب کتابیں وہ ہیں جو عربوں کو چونکا دینے والی اور جھنجھوڑنے والی ہیں، وہ کہیں گے کہ ایک عجی، ایک ہندی انتفاہ ہیں خطاب کر رہا ہے، اس کے اندر اسلام کا اتنا اعتماد ہے جو اعتماد ہمارے اندر اب نہیں رہا ہے، اللہ تعالیٰ اگر نفع پہنچا دے تو اس سے بڑھ کر تقرب الی اللہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ذریعہ سے اس اُمت کے افراد میں دین پر اعتماد پیدا ہو، جن کے ذریعے یہ نعمت اور یہ دولت ساری دنیا میں پھیلی، ہمارے مدارس عربیہ کے فضلاء میں یہ جذبہ دوسروں سے زیادہ ہونا چاہیے کہ ہم جن کی زبان کے ذریعہ سے دین کو سمجھ رہے ہیں، جن سے ہم کو یہ دولت علم ملی ہے اور مل رہی ہے ان کا حق ہے کہ ہم اس کو پھر ان کے پاس لے جائیں ان کے اندر اس کا احساس پیدا ہو اور ان کے اندر یہ غیرت پیدا ہو، وہ استاد ہیں ہم شاگرد، وہ پیر ہیں ہم مرید اور وہ ہادی ہیں اور ہم ہندی تو اس لیے ”معد الدعوة“ قائم ہے جو بڑے نیک شگون کی بات ہے اور مبارک باد دینے کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے عزیزوں اور رفقاء کے کار کو جزائے خیر دے۔

اپنے اس عہد میں، اپنے اس ملک میں، اپنے ماحول میں آپ یہ کیجئے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر سامنے رکھ کر اس حقیقت کو ذہن نشین کریں کہ زمانہ کتنا ہی بدل گیا ہے لیکن دین ابدی ہے،

لے ان عربی، دعوتی رسائل و کتب کی فہرست رسالہ کے آخر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور آج بھی وہ دینِ صحیح و کامل اور زندہ ہے، اور دین ہی اس زمانہ کی رہبری کر سکتا ہے اور اس دین کے ذریعہ ہی سے ہم اس زمانہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں فتح یاب ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ یہ تو کام آپ کا ہر جگہ ہے، مقامی طور بھی ہے، شہر میں بھی ہے، تعلیم یافتہ طبقہ میں خاص طور پر جو پہلے انگریزی تہذیب سے متاثر ہو رہا تھا اور اس کا شکر ادا نہیں رہا تھا، اب ہندو تہذیب سے متاثر ہونے لگا ہے اور خطرہ ہے کہ وہ ہندو دیومالا اور تہذیب سے متاثر ہو، اس کو بھی آپ ذہن میں رکھیں ہرنی زبان کی تعلیم حاصل کرنے سے یہ فائدہ ذہن میں نہ رکھیں کہ ہم بلادِ عربیہ میں جائیں گے اور کہیں جگہ مل گئی تو نوکری کر لیں گے، نہیں تو مؤذن بن جائیں گے، امام بن جائیں گے، یہ قیمت، نہیں ہے آپ کی اور نہ یہ مولانا سید محمد علی مونگیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم کا منصوبہ بنانے والوں اور اس کو ترقی دینے والوں میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ اور ان کے اہل اللہ و عارف باللہ و فقار و معادین کے مقاصد، محنتوں اور قربانیوں کی ہے، اس کی رسید و شکریہ یہ ہے کہ آپ داعی بنیں، مخالف اسلام تہذیبوں سے مسلمانوں کی مرعوبیت دور کریں جو مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہو رہی ہے، اور دوسری طرف آپ عربوں سے لبضاعۃً ردت الینا کہلو ائیں اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے و صلی اللہ تبارک و تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ و اصحابہ۔

بعض دعوتی کتابوں کی فہرست

- ۱۔ احادیث صریحہ مع إخواننا العرب والمسلمین۔
- ۲۔ الاسلام فوق القومیات والعصیات۔
- ۳۔ اسمعوا مئی صریحہ آیہا العرب۔
- ۴۔ اکبر خطر علی العالم العربی۔
- ۵۔ إلی الرأیة المحمدیة آیہا العرب۔
- ۶۔ تفضیلة شباب العرب فنظره إلی السعادة البشریة۔
- ۷۔ عاصفة یواجهها العالم الاسلامی والعربی۔
- ۸۔ العرب والاسلام۔
- ۹۔ العرب یکتشفون أنفسهم۔
- ۱۰۔ الفتح للعرب المسلمین۔
- ۱۱۔ کیف یستعید العرب مکانتهم اللائقة بهم وکیف یمانظون علیہا۔
- ۱۲۔ کیف دخل العرب التاريخ۔
- ۱۳۔ أجاهلیة بعد الاسلام آیہا العرب۔

مغرب

کچھ صاف صاف باتیں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے ان خطبات و مقالات کا مجموعہ جو یورپ اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر پیش کئے گئے ان مقالات و خطبات میں بڑی جرأت کے ساتھ مغربی تہذیب کے نقائص پر نکتہ چینی اور مشرق کے پرستار ان مغرب کی غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید پر صاف صاف تنقید کی گئی ہے، اور مشرق و مغرب کی درمیانی خلیج کو پاٹنے اور انسانیت کی صحیح رہنمائی و خدمت کے لئے ایک راہ اعتدال کی نشاندہی کی گئی ہے۔

نئی دنیا امریکہ ہیں

== صاف صاف باتیں ==

امریکہ اور کناڈا میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی اہم تقریروں اور خطبات کا فکرائیگر مجموعہ مغربی تہذیب اور امریکی معاشرت کا جائزہ، تجربہ اور مطالعہ اور امریکہ کے مقیم مسلمانوں کے بارے میں اہم مشورے ایک نئی کتاب جس میں سچی اور صاف باتیں کہی گئی ہیں، طویل تجربہ اور مطالعہ کا بخیر پیش کر دیا گیا ہے، اوشینی تہذیب کے سب سے بڑے مرکز میں اس بلند سطح پر گفتگو کی گئی ہے جس پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو پرانی اور نئی دنیا ایک حقیقت سراب اور اس کی چمک دمک جھوٹے نگوں کی آب و تاب نظر آتی ہے۔